شریعت کی بالادستی کا مطلب

تحریر: ریاض الحسن نوری، مشیر وفاقی شرعی عدالت و ریسرچ فیلو رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ

قرآن کے اعلانات

جو وحی منزلہ کے مطابق حکم نہ کریں تحقیق وہی کافر ہیں ظالم ہیں فاسق ہیں (المائدہ۔ ۴۴ تا ۴۷)
حکم سارا کا سارا اسی کا چلے گا (۳:۱۵۴) حکم تمام اس کا ہے (سورۃ الرعد: ۱۳:۴۱) حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں (۶:۵۷) خبردار پیدا کرنا حکم دینا اسی کا کام ہے (۷:۵۴) تمام احکام اسی کی طرف لوٹتے ہیں (۱۱:۱۲۳) اے نبی ﷺ فیصلہ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں (۳:۱۲۸) فیصلہ کرو وحی کے مطابق (۵:۵۸) حکومت خدا کی ہے کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں (۱۳:۴۱) تفسیر المنار جلد ۸ ص ۳۹۹ پر ہے کہ قانون سازی صرف خدا کا حق ہے۔ مزید خدا فرماتا ہے کہ اگر حکام سے اختلاف ہو تو اسے خدا اور رسول کی طرف لوٹا دو یعنی قرآن و سنت کی طرف (۵۷:۶۱) خدا نے نبی ﷺ کو قرآن کی تشریح کا حکم دیا (۱۶:۴۴) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی (۴:۸۰) قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہ ہوں گے جب تک تم کو اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور خفگی محسوس نہ کریں (۴:۶۵)

پس جو جرنیلی یا جمہوری حکومت قرآن و سنت کی پابند نہ ہو وہ واضح کفر اور خدا اور رسول سے کھلی بغاوت ہے۔ سید قطب لکھتے ہیں "ایک عرب لغوی لحاظ سے کلمہ طیبہ کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ خدا کے سوا کسی کی حاکمیت نہ ہو۔ خدا کے سوا کسی کا قانون نہ ہو۔ کسی انسان کا دوسرے انسان پر اقتدار نہ ہو۔ کیونکہ اقتدار صرف خدا کیلئے ہے۔ اسلام جس قومیت کا علمبردار ہے وہ اس عقیدہ کی قومیت ہے جس میں عربی، ایرانی، رومی تمام رنگ و نسل کے لوگ مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ (معالم فی الطریق: ۲۴، ۲۵)
قرآن میں تمام مسلمانوں کو ایک قوم کہا گیا ہے (۲۵:۳۰، ۹:۱۴ وغیرہ)

اقبال اور قائداعظم نے جو اعلان کیا کہ مسلمانوں کو آئین بنانے کا حق نہیں ہے اور قرآن ہی انکا آئین و قانون ہے۔ یہ عین قرآن و سنت کے احکام کی پیروی ہے۔ قائداعظم کی صدارت اور موجودگی میں نواب بہادر یار جنگ نے اس اعلان کا اعادہ کیا۔ انگریزی کے اصل تفصیلی الفاظ یوں ہیں:۔

"The achievement of Pakisan will not be so difficult as its maintenance. Your Quaid-e-Azam has proclaimed more than once

that the Muslims have no right to frame the constitution and law of any one of their States. The laws governing the constitution of a Muslim are definitely laid down in the Holy Quran. There is no denying the fact that we want Pakistan for the establishment of the Quranic system of government. It will bring about a revolution".

(دیکھئے شریف الدین پیرزادہ: فاؤنڈیشنز آف پاکستان: ۲:۲۸۵)

مزید قائداعظم نے فرمایا:

The Musalmans are realizing more and more their responsibility in every direction. Every Muslman knows that the injunctions of the Quran are not confined to religious and moral duties. "From the Atlantic to the Ganges," says Gibbon, "the Quran is knowledged as the fundamental code, not only of theology, but of civil and crminal Jurisprudence, and the laws which regulate the actions and the property of mankind are governed by the immutable sanctions of the wil of God". Everyone, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of Musims. A religious, social, civil, commercial, military judicial, criminal, penal code; it regulates everything from the ceremonies of religion to those of daily life, from the salvation of the soul to the health of the body; from the rights of all to those of each individual; from morality to crime, from punishment here to that in the life to come, and our Prophet has enjoined on us that every Musalman should possess a copy of the Quran and be his own priest. Therefore Islam is not merely confined to the spiritual teenets shoud doctrines or rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim

society, every department of life, collective and individually".À

بقول قائداعظم قرآن سول کرمنل قانون کا بنیادی کوڈ ہے۔

بقول قرآن مذہبی، سوشل، سول، کمرشل، ملٹری جوڈیشنل، کرمنل پینل کوڈ ہے۔

(دیکھئے سپیچز اینڈ رائٹنگز آف مسٹر جناح، جمع کردہ جمیل الدین احمد ج:۲ مطبوعہ شیخ اشرف ۱۹۶۸ء صفحات ۲۰۸،۲۰۹

نبی کریم ﷺ کا فرمان کہ حاکموں، کمانڈروں کے غیر اسلامی احکام پر مت عمل کرو۔ اور اگر میرا مقرر کردہ امیر بھی احکام اسلامی پر نہ چلے تو اس کو معزول کرکے دوسرا مقرر کردو جو احکام اسلامی پر چلے۔

ابی عبدالرحمن السلمی، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اسکا سردار ایک شخص کو بنایا اور حکم دیا اس کی اطاعت کرنے کا۔ اس نے آگ سلگائی اور حکم کیا ان کو آگ میں گھس جانے کا۔ تو بعض لوگوں نے انکار کیا۔ اس سے انہوں نے کہا، ہم آگ سے بھاگے نہ دشمن سے اور بعضوں نے گھسنا چاہا یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی آپ نے فرمایا اگر آگ میں چلے جاتے تو پھر اس میں ہمیشہ رہتے (یعنی مرجاتے یا آخرت میں جہنم میں جلتے) اور آپ نے فرمایا نہیں اطاعت ہے کسی کی نافرمانی میں بلکہ اطاعت اس کام میں چاہیے جو دستور کے موافق ہو۔

اسی طرح حضرت نافع حضرت عبداللہ، نافع عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سننا اور ماننا مسلمان پر خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو جب تک واجب ہے کہ گناہ کا حکم نہ ہو، اگر گناہ کا حکم کیا جائے تو نہ سننا چاہیے نہ ماننا چاہیے۔

ف:۔ اگر بادشاہ اسلام کے فرض کا حکم کرے تو ماننا فرض ہے واجب کا کرے تو ماننا واجب ہے، سنت کا کرے تو ماننا سنت ہے مستحب کا مستحب ہے (مرقاۃ الصعود حدیث نمبر ۲۶۲۷)

پھر بشر بن عاصم، حضرت عقبہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ میں سے ان میں سے ایک شخص کو ایک تلوار دی۔ جب وہ لوٹا تو اس نے مجھ سے بیان کیا کاش تو دیکھتا کہ کیسے ملامت کی ہے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے۔ آپ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جب میں نے ایک شخص کو بھیجا وہ میرا حکم بجا نہیں لایا تو تم اس کے بدلے اس شخص کو مقرر کرو جو میرا حکم بجالائے، اور اس کو نکال دو جو میرے حکم کی تعمیل نہ کرے) سنن ابی داوٗد: احادیث نمبر ۲۶۲۵ تا ۲۶۲۷

حضرت عمرؓ کا قول

حضرت شاہ ولی اللہ حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: اگر ہمارا مقرر کردہ امیر سیدھا رہے تو اس کا اتباع کرو اور ٹیڑھا ہوجائے تو قتل کردو۔ طلحہؓ نے معزول کرنے کی بات کی تو فرمایا کہ قتل کے بعد ہونے والا امیر زیادہ محتاط ہوگا (ازالۃ الخفاء ۴: ۲۱۳ مطبوعہ نور محمد، کراچی)

ماوردی کا قول

علامہ اقبال ماوردی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اگر خلیفہ اسلامی احکام کے مطابق حکومت نہ کرے تو مسجد میں نماز کے بعد کوئی باثر مسلمان کھڑا ہو کر خلیفہ کو معزول کرنے کی وجوہات بیان کرے اور بتائے کہ اس کی معزولی اسلام کے فائدے میں ہے اور تقریر کے آخر میں اپنی انگوٹھی نکال پھینک دے کہ میں اس خلیفہ کو معزول کرتا ہوں جیسے اس انگوٹھی کو پھینکتا ہوں۔ پھر عوام اپنی رضامندی کا مختلف طریقوں سے اظہار کریں۔ جس پر معزولی کی تکمیل ہوجائے گی (دیکھئے سپیچز رائیٹنگز اینڈ سٹیٹمنس آف اقبال، مرتبہ احمد شیرانی، ۱۱۳: مطبوعہ اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء

حضرت عمرؓ نے انتظامیہ، عدلیہ، مالیاتی نظاموں کو علیحدہ کردیا تھا۔

مذکورہ بالا چیز شاہ ولی نے اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفا" میں لکھی ہے۔

اس کا اثر ہمیں واضح طور پر تاریخ میں ملتا ہے۔

عدلیہ کا مقام

طبری کے علاوہ ابن اثیر میں ہے:

"وفیھااستقضی ابوبکر عمر بن الخطاب وکان یقضی بین الناس خلافتہ کلھا (ابن اثیر ،ج:۲،ص:۲۶)

(اور اس سال ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو قاضی بنایا اور وہ خلافت صدیقی کا سارا زمانہ قضا کا کام کرتے رہے)

حضرت عمر اپنے اس حق قضا کو آزادی کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور حضرت ابوبکر کی رائے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اقرع بن حابس اور عیینۃ بن حصن حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ایک بے کار زمین جو ان کی طرف پڑی ہوئی تھی اس کا مطالبہ کیا۔ چونکہ یہ دونوں مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اس لئے حضرت ابوبکر نے ان کی درخواست منظور کرلی اور اس زمین کا پٹہ ان کے نام لکھ دیا۔ اب یہ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے تاکہ پروانہ خلافت کی ان سے توثیق کرالیں لیکن حضرت عمرؓ

اسے دیکھتے ہی سخت غضب ناک ہوئے اور پروانہ ان کے ہاتھوں سے لے کر چاک کردیا اور فرمایا" رسول اللہ ﷺ اس زمانہ میں تمہاری دل جوئی کرتے تھے جبکہ اسلام کمزور تھا۔ اب اسلام کافی مضبوط ہے۔ تم سے جو کچھ ہوسکے کردیکھو" یہ دونوں وہاں سے لوٹ کر سیدھے حضرت ابوبکر کی خدمت میں آئے اور بولے "خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خلیفہ تو عمر ہی ہوتے اگروہ چاہتے" یہ گفتگو ہورہی تھی کہ حضرت عمر بھی غصہ میں بھرے ہوئے آپہنچے اور حضرت ابوبکرؓ سے بازپرس کرنے لگے کہ آپ نے یہ زمین کا ٹکرا ان دونوں کو کس طرح دیا؟ یہ آپ کی ملکیت ہے یا مسلمانوں کی؟ حضرت ابوبکر بولے "مسلمانوں کی" حضرت عمرؓ نے کہا" تو پھر آپ کو کیا حق تھا کہ ان دو آدمیوں کو بخشدیں" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا" اس وقت جو لوگ میرے پاس موجود تھے میں نے ان سے مشورہ کیا تھا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو بحال رکھا بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تحریر چاک کردی تھی۔ اس کے بعد عیینۃ حضرت ابوبکر کی خدمت میں آیا اور درخواست کی کہ ایک دوسری تحریر لکھ دیں تو آپ نے فرمایا" لااجدد شیاردہ عمر" میں اس کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمر نے رد کردیا ہے"

ایک نکتہ: اس واقعہ سے ایک یہ نکتہ بھی ہاتھ آتا ہے کہ اگرچہ حضرت عمر کے زمانہ میں جس طرح صیغہ عدالت (Gudicial) محکمہ امروتنفیذ (Execative) سے باقاعدہ الگ قائم کردیا گیا تھا حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایسا نہیں تھا۔ لیکن جہاں تک اصل اسپرٹ اور اس احساس کا تعلق ہے کہ یہ دونوں صیغے الگ الگ ہونے چاہییں جیسا کہ تہذیب و تمدن کے دور ترقی میں ہوتا ہے وہ بہرحال عہد صدیقی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا(بحوالہ ابوعبید: کتاب الاموال ۲۷۷)ابوبکرصدیق اکبر، مؤلفہ سعید احمد،۳۲۶،۳۲۷مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۱۹۶۱ء)

محکمہ مالیات کی آزادی کی بھی بہت سی مثالیں ہمیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ تھا اور آزاد تھا۔ حضرت عمرؓ کے متعلق معلوم ہے کہ جب وہ مجبوراً قرض لیتے تھے تو خزانچی ادائیگی کے لئے تقاضا کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کے بچوں کے کپڑے پھٹے تھے اور ہم مکتب ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پس کپڑے بنانے کیلئے پیشگی تنخواہ کا مطالبہ کیا تو خزانچی نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ اگلے ماہ زندہ رہیں گے اور کام کریں گے۔ خازن کا مکتوب پڑھ کر امیرالمومنین نے کہا۔ اے بیٹے انہی پھٹے کپڑوں میں جاؤ۔ تمہارا باپ نئے کپڑوں کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پیشگی رقم نہ لینا اولی ہے۔ شدید

ضرورت ہو تو کوئی حرج بھی نہیں(اسحاق بھٹی برصغیر پاک وہند میں فقہ(۵۴: مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، بحوالہ الفتاوی الغیاثیہ)

رشید اختر ندوی اپنی کتاب "مسلمان حکمران" میں لکھتے ہیں:

اپنی پوری قلمرو میں بسنے والی رعایا سے کوئی غیر شرعی ٹیکس نہیں لیا۔ کسی کاشتکار، کسی زمیندار اور کسی دیہاتی وشہری صنعتکار کی پیداوار سے غیر شرعی حصہ نہیں لیا اور نہ اپنے کسی عامل یا حاکم کو اجازت دی کہ وہ کسی پر سختی یا جبر کرسکے۔

عبدالرحمن کے زمانہ کی عدالتیں آج کی جمہوری اور ترقی یافتہ عدالتوں سے ہزار گنا بہتر اور سستی عدالتیں تھیں۔ بیس ہزار سے زائد جج عبدالرحمن الثانی اور حضرت امام یحیٰ نے پوری ریاست کے طول وعرض میں محض اس لئے مقرر کر رکھے تھے کہ قصبہ قصبہ اور بستی بستی میں انصاف وعدل کا سکہ رواں رکھیں اور کسی طاقتور کو اجازت نہ دیں کہ کمزور پر ظلم کرسکے اور کبھی ایسا ہوجائے تو ظالم کو قرار واقعی سزادیں۔

ملک کی بیس ہزار عدالتیں جو زیادہ تر ایک جج پر مشتمل تھیں مدعی یا مدعا علیہ کو ایک پیسہ کے خرچ کے بغیر پورا انصاف وعدل مہیا کرتیں۔ ان بیس ہزار عدالتوں میں کہیں بھی نہ کوئی رشوت لی جاتی--------اور نہ سفارش قبول کی جاتی۔ اس لئے کہ ان کی نگرانی فرمانے والے امام یحیٰ بڑے سخت محتسب اور بڑے عالی مقام جج تھے۔ ایسے جج جو بادشاہ کے قصور پر بھی اسے سخت سے سخت سزادینے میں تامل نہ کرتے تھے۔یحیٰ تو خیر یحیٰ تھے۔ قرطبہ کی عدالت کے بڑے قاضی محمد بن سلم کی منصف مزاجی اور عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سرکاری افسر کے جرم کو بھی معاف نہ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ عبدالرحمن الثانی نے انہیں وزیر عدلیہ کا منصب سونپ رکھا تھا۔

ابن القرطبہ کہتے ہیں۔ اس نے ایک بار اپنے خزانچی کے نام ایک فرمان لکھا۔ ہمارے مغنی زریاب کو تیس ہزار دینار دے دو۔ زریاب معمولی آدمی نہ تھے۔ عبدالرحمن الثانی کے وزیر دربار بھی تھے۔ اور بادشاہ کے مزاج شناس بھی۔ وہ یہ رقعہ لے کر جب خزانچی کے پاس گئے تو خزانچی نے رقعہ لوٹادیا اور اس پر لکھا۔ یہ خزانہ عوام کا ہے۔ اور عوام کے خزانہ سے گویوں کو اتنی بڑی رقمیں نہیں دی جاسکتیں۔(ابن القوطیہ۔ افتتاح الاندلس ۹۸)

یہ کتنی تلخ جرح تھی۔ مگر عبدالرحمن ثانی نے یہ جرح محض برداشت ہی نہ کی بلکہ خزانچی کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس درجہ فرض شناسی برتی۔

ایسی ہی جرح عبدالرحمن الثانی پر ایک بار خزانچی نے اور بھی کی۔اور یہ پہلی جرح سے زیادہ سخت تھی۔ باشاہ نے اپنی محبوب ملکہ طروب کے نام ایک لاکھ دینار کا پروانہ لکھا۔ خزانچی نے یہ پروانہ واپس کردیا اور اس پر بڑا سخت جملہ لکھا۔ یہ خزانہ عوام کا ہے۔ بادشاہ کی باندیوں کو اس سے خوش نہیں کیا جاسکتا۔

طروب پہلے باندی تھی اور پھر ملکہ بنی تھی۔ یہ جواب اس کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کو بھی چیلنج کررہا تھا لیکن عبدالرحمن ثانی نے یہ جرح قبول کرلی۔ اور خزانچی کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ کبھی اس قسم کے پروانے نہ لکھے (رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران: ۲۱۶تا۲۱۹، مطبوعہ احسن برادرز، لاہور ۱۹۵۵)

حالانکہ یہ دونوں جن کیلئے عبدالرحمن ثانی نے پروانے لکھے ۔ اسے بے حد محبوب تھے ۔ زریاب اس کا وزیر دربار اور اس کا سب سے بڑا ندیم تھا۔ اور ملکہ طروب اس کی ملکہ اور محبوب ترین عورت تھی۔ عبدالرحمن ثانی کی یہ سب سے بڑی خوبی تھی۔ کہ وہ اپنے عزیزوں اور اپنے محبوب لوگوں کی خاطر بھی سچائی کو پس پشت نہ ڈالتا۔

عبدالرحمن ثانی نے تہذیب وتمدن کی جو خدمت کی وہ رہتی دنیا تک تاریخ دانوں سے خراج حاصل کرتی رہے گی۔ اس شریف تاجدار نے اندلس کا کوئی گاؤں اور کوئی قصبہ ایسا نہ رہنے دیا جہاں تعلیم گاہیں نہ کھولیں اور مسجدیں نہ بنوائیں۔ اور جس نے عوام کی خوشحالی کا سامان نہ کیا ہو۔

اس نے محض مسلمانوں پر ہی احسانات نہ کئے ، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا بنالیا۔ ان کے معبدوں کو جاگیریں دیں اور ان کی تعلیم گاہوں کو سرکاری خزانہ میں برابر کا حصہ دار ٹھہرایا۔وہ غیر مذہبی رعایا کے ساتھ بڑی رواداری برتتا۔ اور مسلمان عوام کو تو اس کی وجہ سے وہ خوشحالی، فراغت اور اطمینان نصیب ہوا کہ اس کی موت پر پورا اندلس بچوں کی طرح رویا۔ پورے اندلس پر دنیا اندھیر ہوگئی۔ اور ایسا لگتا تھا کہ عبدالرحمن ثانی کی موت واقع نہیں ہوئی تھی ایک خوفناک زلزلہ ہر سو لہرا گیا تھا۔ اس کی موت ۲۳۸ھ میں واقع ہوئی۔

تفسیر المنار کا اعلان حق

صاحب تفسیر المنار رشید رضا مفتی محمد عبدہ کے جانشین ان لوگوں کو مطعون کرنے کے بعد جو قانون سازی کی جرات کرتے ہیں، یوں فرماتے ہیں:

"ہم تفسیر میں بار بار بیان کرتے رہے ہیں کہ قانون سازی صرف خداتعالی کا مخصوص حق ہے۔ اور جو شخص قانون سازی کی طرف دوڑتا ہے اس نے گویا خود کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے:

وقدبینامراراً فی هذه التفسیر ان هذا الحق لله وحده ومن تهجم علیه فقد جعل نفسه شریکا له ومن تبعه فیه فقدتخذه رباله وقدکان علماء الصحابة والتابعین یتحامون القول فی الدین بالرای(المنار:۸:۳۹۹)

شیعہ اور سنی سب کا اجتماعی فیصلہ

پس ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ ہوں یا سنی سب کا متفقہ اجماعی فیصلہ ہے کہ قانون سازی صرف خدائے ذوالجلال والاکرام کا خصوصی حق ہے۔ وہ خالق ہے اپنی مخلوق کا اور اپنی مخلوق کے لئے قانون بنانے کا حقدار بھی وہی ہے۔ اور جو قانون سازی کا دعوے کرتے ہیں وہ گویا اپنے آپ کا خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔

یہاں ہم یہ بتاتے چلیں کہ ہم قانون کی بات کر رہے نہ کہ رولز کی۔ ایسے رول بنائے جاسکتے ہیں کہ ہر ملازم کو تنخواہ پہلی تاریخ کو ملے گی۔ اسی طرح اسکولوں کے رول بنائے جاسکتے ہیں کہ داخلہ فلاں تاریخ کے بعد بند کردیا جائے گا۔ چھٹیاں فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک ہوں گی۔ یہ انتظامی معاملات ہیں ان کیلئے دلائل کی بناپر اور شریعت کی خلاف ورزی کے بغیر رول بنائے جاسکتے ہیں۔ لیکن قانون سازی کا معاملہ اور ہے اور انتظامی سہولت کیلئے انصاف کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت کی خلاف ورزی کئے بغیر رول بنانے کو کوئی منع نہیں کرتا کیونکہ یہ محض رولز ہوتے ہیں۔ یہ قوانین کی ضمن میں نہیں آتے ہیں۔ جس پر یہاں گفتگو ہورہی ہے۔

نئے معاملے میں اور نئے حالات میں طرز عمل

اگر ایسا کوئی نیا معاملہ پیش آجائے کہ کسی نئے فتویٰ کی ضرورت پیش آجائے اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس نئے مسئلہ کا حل تلاش کرنا ضروری ہوجائے تو نیا رول نئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کےلئے ضروری ہے کہ متقی پرہیزگار خوف خدا رکھنے والے ماہرین فقہ وقانون کو بلاکر ان سے مشورہ لیا جائے۔ یہ نیا رول ایک وقتی قابل عمل رائے ہوگی۔ اس کو قانون نہ کہا جائے گا نہ قانون کا مقام اسے حاصل ہوگا۔ اگر بعد میں ضرورت محسوس ہوکہ اس رول نظریہ یا رائے کو تبدیل کرنا ضروری ہے تو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے مثالیں دینا مشکل ہے مگر ہماری فقہ میں ایسی بہت سے مثالیں ملتی ہیں۔ یہاں ایک مثال کافی ہوگی۔

حنفی فقہاء کی رائے کے مطابق اگر ایک عورت کا خاوند لاپتہ ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ خاوند کا انتظار کرے جب تک کہ خاوند کی عمر اوسط یا عام عمر کے برابر نہ ہوجائے یعنی ۶۰ سال یا اس کے

قریب۔ اس وقت تک عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں بہت سی مسلم خواتین تھیں جن کے خاوند جنگ کے دوران لاپتہ ہوگئے تھے اور ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں مل رہا تھا۔ ایسی خواتین کے لئے اپنے خاوندوں کے انتظار میں سالہاسال تک ٹھہرنا بہت مشکل تھا۔ پس بہت سی خواتین نے شادی کی خاطر اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا شروع کر دیا۔ یہ حالات دیکھ کر علماء نے کانفرنس بلائی اور یہ فیصلہ کیا کہ مالکی فقہاء کی رائے پر عمل کیا جائے یعنی ۴سال کا انتظار کرنے کے بعد عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دے دی جائے۔ یوں ہندوستان کے حنفی علماء نے متفقہ طور پر مالکیہ کے رائے کو اختیار کر کے فتوی دے دیا۔

اغلب یہ ہے کہ امام مالک نے ۴سال کے انتظار کی مدت اس لئے اختیار کی ہوگی کیونکہ حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فوجیوں کو ۴ماہ کے بعد گھر جانے کی چھٹی پر اجازت دی جائے کیونکہ انہوں نے خواتین سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ بیوی کیلئے چارماہ سے زیادہ مفارقت تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔ امام مالک نے لاپتہ ہونے کی صورت میں ۴ماہ کی جگہ ۴سال کی مدت کو معقول سمجھا۔ گویا انہوں نے ۴سال کی مدت حضرت عمرؓ ہی کے فیصلہ سے اخذ کی۔

پس حنفیوں نے علی الاعلان اپنی گزشتہ رائے سے اس وجہ سے رجوع کرلیا کیونکہ سابقہ رائے بھی ایک رائے تھی کوئی قانون خداوندی نہ تھا جس سے رجوع ناممکن ہو۔ سابقہ آراء سے رجوع کی مثالیں فقہاء کے ہاں کثرت سے ملتی ہیں پس قانون تو وہی ہے جسے قرآن وسنت نے قانون بنادیا۔ باقی سب آراء ہیں علماء کی وہ آراء غیرمتبدل قانون نہیں۔ اسی وجہ سے چاروں ائمہ کرام نے فرمایا کہ اگر تم کو ہماری رائے کے خلاف حدیث صحیح مل جائے تو اسے اختیار کرلو کہ میرا مذہب بھی وہی ہے۔(حجۃ اللہ البالغہ ،ج:۱،ص:۱۷۳) پر امام شافعی کا مشہور قول ہے کہ اگر تم کو صحیح حدیث مل جائے تو میرا قول دیوار پر مار دو۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں آدمی ہوں صحیح بات بھی کہتا ہوں غلطی بھی ہوتی ہے پس جو بات کتاب وسنت کے مطابق ہو لے لو۔ خلاف کو ترک کر دو (عبدالحلیم جندی: مالک بن انس:۱۰۶)

امام احمد بن حنبل تو حدیث کے اتنا شیدا تھے کہ انہوں نے فقہ میں کوئی کتاب نہیں لکھی بلکہ وہ اپنے شاگردوں کو فقہ کی مدونہ کتب کے مطالعے سے بھی روکتے تھے کہ مبادا لوگ حدیث سے بے نیازی نہ برتیں (ابوزہرہ: احمد بن حنبل:۲۴۶،اردو ترجمہ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ جولائی ۱۹۶۱ء) کسی صحابی کے فتوے کی موجودگی میں خود کبھی اجتہاد نہیں کرتے تھے (ص:۱ محولہ بالا)

ابوزہرہ حضرت ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: صحابی کے قول کی پیروی ہر حال

میں واجب ہے:

"ولقد ساق شمس الائمة السرخسی طائفة من الادلة تثبت وجوب اتباع قول الصحابی فی کل الاحوال)اس سلسلے میں وہ آیات قرآنی سے بھی استشہادکرتے ہیں:

"السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان....(ابوزهره : ابوحنیفه:۳۴ ، مطبوعه دالفکر العربی ۱۹۴)

مفتی محمد شفیع نے امام ابو حنیفہ کا قول مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوب سے یوں نقل کیا ہے۔

"اذا ثبت الحدیث اترکواقولی لقول رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم (کشکول):۴۰)

ابن عابدین امام ابوحنیفه کاقول یوں نقل کرتے ہیں:

"لایحل لا حداٴن یفتی بقول لناحتی یعلم من این قلنا(رسائل ابن عابدین :۲۹ مطبوعه سهیل اکیڈمی)

یہی قول شاہ ولی اللہ امام ابو یوسف وزفر وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنی کسی کو جائز نہیں کہ ہمارے قول سے فتوی دے جب تک اس کو معلوم نہ ہوجائے کہ ہم نے کہاں سے لیا(حجۃ اللہ البالغہ مترجم:۱:۲۷۳مطبوعہ نور محمد کراچی)امام شافعی نے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے علاوہ کسی کا قول حجت نہیں ہوسکتا خواہ لوگ کتنے ہی زیادہ ہوں(محولہ بالا۲۷۱)

پس قرآن ہمارا بالاترین آئین اور قانون ہے۔ سنہ اس کی تفسیر ہے۔ اگر ہم ذیلی آئین بنائیں ۔ اس پر موٹے الفاظ میں لکھ دیں کہ اس کی جو شق قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ خود بخود کالعدم متصور ہوگی تو یہ صحیح ہوگا۔

اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی پہلی تقریر میں یوں اعلان کیا:

"اے لوگو میں تمہارا والی بنادیا گیا ہوں، مگر میں تم میں سے سب سے اچھا نہیں ہوں، پس جب میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور جب میں غلطی کرو تو مجھے سیدھا کردینا۔ میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتا رہوں۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر بھی میری اطاعت واجب نہیں۔ میں بھی تمہاری مانند ہی ہوں۔ میں تو صرف اتباع رسول کرنے والا ہوں۔ نئی بات نکالنے والا نہیں ہوں(البدایہ والنھایہ لابن کثیر جلد۶، صفحات ۳۰۱و۳۰۳)

حضرت عمرؓ کا اعلان

مذکورہ بالا قسم کے اعلانات حضرت عمرؓ بھی کرتے رہے تھے۔ الفاروق میں ہے: ایک دفعہ انہوں نے ممبر پر چڑھ کر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار نیام سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا: کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے۔ اس نے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں: حضرت عمرؓ نے کہا الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔ اس واقعہ کو ابوزہرہؒ نے بھی اپنی کتاب "الجریمۃ والعقوبۃ" جلد اول کے صفحہ ۱۶۰ پر بیان کیا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے اپنی تقریر میں کہا: میں بھی تم میں سے ایک ہوں اور تمہارے ہی جیسا ہوں (کتاب الخراج لابی یوسف، ص:۲۵) فانی واحد کاحد کم۔

حضرت عثمانؓ کی بیعت

حضرت عثمانؓ کی جب بیعت ہوئی تو ان سے یہ شرط لی گئی تھی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور شیخین کی سنت پر عمل کریں گے۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام میں ہے کہ:

حضرت عثمانؓ نے قرآن اور رسول اللہ ﷺ اور سنت خلیفہ اول وخلیفہ ثانی پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اس شرط پر عبدالرحمن بن عوف، مہاجرین وانصارؓ نے ان کی بیعت کی، فوج کے افسران اور عام مسلمانوں نے بھی ان ہی شرائط پر بیعت کی۔

حضرت علیؓ کی تائید

حضرت علی المرتضیٰؓ جب خلیفہ ہوئے تو آپؓ نے اپنی تقریر کے شروع میں یوں فرمایا:

"ایھاالناس بایعتمونی علی مابویع علیہ من کان قبلی،:

یعنی آپ لوگوں نے میری بیعت ان ہی شرائط پر مشروط کی ہے جن پر مجھ سے پہلے خلفاء سے کی تھی (الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری، ص:۱۴۰)

جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے تو قرآن بھی مدون نہ ہوا تھا۔ حدیث کی تدوین تو باقاعدہ سرکاری طور پر سو سال بعد ہوئی۔ لیکن پہلے ہی دن سے قرآن وسنت کا نظام نافذ کر دیا گیا اور قرآن کی تدوین کا انتظار نہ کیا گیا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ پر حملہ کا خطرہ ہو گیا۔ عربوں کی اکثریت مرتد ہو گئی لیکن پھر بھی سنت کی پیروی میں اسامہ بن زید کا لشکر روم پر حملہ کیلئے گیا۔ زکواۃ کی وصولی میں بھی تمام صحابہ کے مشورہ کے باوجود کوئی توقف یا مداہنت برداشت نہ کی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ کا مشورہ رد کر دیا۔ اور بقول قائداعظم بنیادی کوڈ کے نفاذ میں ایک لمحہ کی تاخیر کی اجازت نہ دی گئی۔

خلفائے راشدین کے دور میں جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کا حل معلوم نہ ہوتا تو حضرت ابو بکرؓ لوگوں سے پوچھتے کہ کسی کو اس سلسلے میں حدیث کا علم ہے جب کوئی صحابی بتادیتا تو اس پر عمل ہوجاتا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا طرز عمل تھا۔ مگر آپ کوشش کرتے کہ دوسرا صحابی بھی مل جائے جس نے یہ حدیث سنی ہو۔ پھر آپ اس پر عمل کرتے۔ حضرت علیؓ راوی سے قسم لے کر اپنا اطمینان کرتے اور اس پر عمل ہوجاتا۔ کسی خلیفہ راشد یا بعد کے عباسی خلیفہ نے بھی کبھی کوڈ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ مغرب کی نقالی میں مجلہ کا مشہور نامکمل کوڈ بنا تو خلافت ہی ختم ہو گئی۔

کوڈ پر قرآن وسنت کی برتری

اگر حکومت کوڈ بنانا چاہتی ہے تو بڑے شوق سے بنائے لیکن اس وقت تک کیلئے قرآنی احکام کو معطل رکھ کر فرنگیوں کے کافرانہ قانون پر عمل کرنا اللہ تعالی اور آئین دونوں سے بغاوت ہے۔ یہ قرآن سے ثابت ہے اور آئین سے بھی۔ لیکن یاد رہے کہ کوڈ کے بعد بھی سپرلا قرآن وسنت ہی رہے گا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے ہر کوڈ کی حیثیت ثانوی ہی رہے گی۔ انسانی الفاظ خدا اور رسول کے الفاظ کا نہ مقام لے سکتے ہیں نہ بہتر ہوسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام مالک نے ہارون الرشید کو اس بات کی اجازت نہ دی کہ ان کی موطا کو حکومت کا سرکاری قانون بنایا جائے۔ خلیفہ کا حکم ہو یا پارلیمنٹ کا پاس کردہ کوئی حکم ہو۔ اس پر حکومت بقول قائداعظم قرآن یعنی بنیادی کوڈ کو حاصل رہے گی۔ یعنی سپرلا پھر بھی قرآن وسنت ہی کا قانون ہوگا۔ بلکہ سرکاری افسروں کو اجازت ہوگی کہ حکمرانوں کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کریں اگر وہ قرآن کے مطابق نہ ہو اور اس کی بجائے قرآنی حکم پر عمل کریں۔ حضرت معاویہؓ کے دور کا واقعہ ملاحظہ ہو:

امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے حضرت حکم بن عمرو غفاری کو خراسان کا گورنر بنانا چاہا، انہوں نے اس کو قبول کرلیا اور نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے لگے لیکن جب کبھی اسلامی اصول اور حکومت کے اصول میں تعارض ہوجاتا تو حکم حکومت کے اصول کو ٹھکرادیتے، خراساں کی گورنری کے زمانہ میں کسی جنگ میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، زیاد نے لکھ بھیجا کہ امیر المومنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا چاندی ان کیلئے محفوظ کرلیا جائے اس لئے سونا چاندی لوگوں میں تقسیم نہ کرنا، چونکہ یہ حکم اسلامی اصول کے خلاف تھا اس لئے انہوں نے نہایت صاف جواب لکھا، السلام علیک، اما بعد تمہارا خط جس میں تم نے امیر المومنین کے حکم کا حوالہ دیا ہے ملا، لیکن امیر المومنین کے مکتوب کے قبل مجھ کو اللہ کی کتاب مل چکی ہے یعنی مال غنیمت میں عام مجاہدین کا بھی حصہ ہے) خدا کی قسم اگر

کسی بندہ کو آسمان وزمین گھیر لیں اور وہ خدا سے ڈرتا ہو تو وہ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کردے گا(یعنی اس عدول حکمی پر جو عین حکم خدا کے مطابق ہے کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ یہ جواب لکھا کر مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حصہ لے لو(شاہ معین الدین، سیر صحابہ:۷:۷۴، بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۷، ص:۲۹)

تاریخ میں ایسی بہت مثالیں ملتی ہیں:

یہ مسئلہ یوں تھا کہ مال غنیمت میں سے ۴/۵ حصہ مجاہدین میں تقسیم کردیا جاتا تھا اور ۱/۵ حصہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اب کیونکہ خزانہ میں سونا چاندی کی ضرورت رہتی ہے اس لئے امیر معاویہؓ نے چاہا کہ بیت المال کا ۱/۵ حصہ تمام کا تمام سونا چاندی کی صورت میں لے لیا جائے تاکہ آسانی رہے ورنہ انہوں نے خزانہ کیلئے مقرر مقدار سے زیادہ کا مطالبہ ہرگز نہ کیا تھا۔ لیکن اس کو بھی گورنر حکم بن عمرو غفاری نے منظور نہ کیا کیونکہ یہ اس طریقہ کے خلاف تھا جو حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں جاری رہا تھا۔

حضرت عمرؓ جن سرکاری اعلیٰ افسروں یعنی عمال کا مال بڑھتا دیکھتے ان کا نصف مال لے کر تمہینہ* سے بیت المال میں داخل کردیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حال بیت المال کے متعلق یتیم کے ولی کا ہے۔ اگر میرے پاس گزارہ کیلئے ہوگا تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔ اگر نہ ہوگا تو بیت المال سے محض سادہ گزارہ کے لئے معمولی رقم لے لوں گا۔ پس وہ اگرچہ گورنروں کو اچھی تنخواہ دیتے تھے کہ رشوت پر مائل نہ ہوں مگر جب دیکھا کہ عمال نے تو بہت مال جمع کرلیا ہے تو تمہینہ لگا کر انہوں نے بہت سے عمال کا نصف مال بیت المال میں جمع کردیا۔(ملاحظہ ہو:ابوعبید کی کتاب الاموال، حدیث نمبر ۶۶۴-۶۶۵)